۶۸۔ ڈاکٹر رفیع الدین ص ۱۱۵

69- Mariam Jamila p. 116

70- Smith Wilfred, Cantwell, Islam in the Modern History, p. 102-103

71- Mariam Jamila pp. 109-10

72- Sale, T. S. George, The Quran Commonly Called
Al-Quran, with a Pre-liminary Discourse, Vintage Books, New York, 1977, p. 51

۷۳۔ عطاءاللہ شیخ، اقبال نامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۰، ص ۳۹۷

۷۴۔ نذیر نیازی، مکتوبات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۰

۷۵۔ ہراوی، حسین، محمد، المستشرقون والاسلام، المجلس الاعلیٰ للشیون قاہرہ، ۱۹۴۵، ص ۳۰

۷۶۔ ایضاً ص ۳۵

۷۷۔ ایڈورڈ، ڈبلیو، سعید، ص ۳۶۰

۷۸۔ ایضاً ص ۶۶۔۳۶۱

۷۹۔ پروفیسر ظفر علی قریشی، ص ۵۱

80- Mariam Jamila p. 10

81- Ibid. p. 82

82- Ibid p. 110

83- Ibid p. 111

تحریک آزادیٔ نسواں اور پاکستان میں این جی اوز کا کردار

سیدہ سعدیہ*

این جی اوز ("NGOs") جنہیں اردو میں غیر سرکاری تنظیمیں کہا جاتا ہے۔ پاکستان کے حوالے سے ان کا کردار بہت اہم ہے۔ تحریک نسواں کے حوالے سے این۔جی۔اوز کے کردار کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم این جی اوز کے آغاز وارتقاء کا مختصرا جائزہ لیں۔

این جی اوز معنی ومفہوم:

غیر سرکاری تنظیم کو انگریزی میں Non - Government Organizations کہتے ہیں اور اس کا مخفف "NGO" ہے۔ تاہم غیر سرکاری تنظیم کی اصطلاح، 1945 میں اقوام متحدہ کے قیام اور اس کے چارٹر کے باب(10) کے آرٹیکل(72-71) کی شرائط کے ساتھ ہی عام استعمال میں آ گئی۔(۱)

ملیحہ حسین لکھتی ہیں:

''یہ اصطلاح ایسی تمام غیر منافع بخش تنظیموں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو رضا کارانہ یا پیشہ ورانہ بنیادوں پر خیراتی یا ترقیاتی کام سرانجام دیں۔''

یہ غیر کاروباری تنظیمیں ہوتی ہیں اور عوامی فنڈز اور عطیات اکٹھا کر کے عوام کی بہتری کے لیے عوام پر خرچ کرتی ہیں یہ اصطلاح چھوٹی بڑی سماجی بھلائی کی ایجنسی اور بسا اوقات تحقیقی تنظیموں اور فرموں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں۔(۲)

NGO's "Non government Organization (a charity association etc) that is independent of government and business"(3)

"A non-governmental organization (NGO) is any non-profit, voluntary citizens' group which is organized on a local, national or international level. Task-oriented and driven by people with a common interest, NGOs perform a variety of service and humanitarian functions, bring citizen concerns to Governments, advocate and monitor policies and encourage political particpation through provision of information. Some are organized around specific issues, such as human rights, environment or health. They provide analysis and expertise, serve as early warning mechanisms and help monitor and implement international agreements. Their relationship with offices and

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

agencies of the United Nations system differs depending on their goals, their venue and the mandate of a particular institution".(4)

این جی اوز کی خصوصیات:

کسی بھی تنظیم میں درج ذیل خصوصیات ہوں تو غیر سرکاری تنظیم کہلاتی ہے۔

☆ ہر وہ علاقائی، قومی، یا بین الاقوامی ادارہ جو تعلیمی یا ترقیاتی سرگرمیوں میں سروس مہیا کرنے میں مصروف ہو۔

☆ ہر وہ تنظیم جو سماجی بہبود ڈویژن (Social Welfare Division) کے تحت رجسٹرڈ ہو اور جس سے بیرونی ممالک سے رقم حاصل ہو رہی ہو۔

☆ ہر وہ ادارہ جسے ان ذرائع سے رقم حاصل ہو رہی ہو۔

ا۔ اعلیٰ درجے کے سرمایہ دارانہ ممالک کے ریاستی شعبوں یا اداروں سے۔

ب۔ مختلف بین الاقوامی امدادی تنظیموں سے ج۔ مختلف مذہبی اداروں سے۔

د۔ ان تمام ذرائع یا ان مین سے کسی ایک یا ایک سے زائد ذرائع سے۔

☆ ہر وہ ادارہ یا تنظیم جو ذاتی، نجی کام حکومت کی اجازت کے ساتھ سرانجام دے اور اپنی مختلف سرگرمیاں یا پروگرام حکومتی قواعد و ضوابط یا حکومتی رہنمائی کے مطابق لاگو کرے۔(۵)

آغاز و پس منظر:

۱۸ویں صدی میں کیے جانے والے رفاہی اور خیراتی کام جو انسانی بنیادوں پر جو شروع کیے گیے، انھیں مغرب میں منظم شکل میں شہرت ملی برطانوی نوکر شاہی اور غیر ملکی غلامی مخالف سوسائٹی نے ۱۸۳۸ء (Foreign Anti Slavery Society) میں پہلی مرتبہ NGO کے وجود کا اعلان کیا۔

اقوام متحدہ کا چارٹر:

۱۸۶۴ء میں جنگ سے متاثرہ افراد سے شروع ہونے والے کام Red Cross کو جنم دیا۔ عالمی سکاوٹ تنظیم کا قیام Lord Bedon Powell کی انسان دوستی کا ثبوت ہے۔

تاہم باقاعدہ طور پر NGO's کا آغاز ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کے قیام کے ساتھ ہی ہوا۔ اقوام متحدہ کے چارٹر میں درج ہے:

The Economic and Social Council shall set up commissions in economic and social fields and for the promotion of human rights, and such other commissions as may be required for the performance of its functions. (6)

The Economic and Social Council may make arrangements for representatives of the specialized agencies to participate, without vote, in its deliberations and in those of the commissions established by it, and for its representatives to participate in the deliberations of the specialized agencies.(7)

The Economic and Social Council may make suitable arrangements for consultation with non-governmental organizations which are concerned with matters within its competence. Such arrangements may be made with international organizations and, where appropriate, with national organizations after consultation with the Member of the United Nations concerned.(8)

پاکستان میں NGO's کا آغاز:

پاکستان کو قیام کے وقت سماجی مسائل کے علاوہ کمزور معیشت اور مکار دشمن ورثے میں ملا۔ نتیجتاً قومی بجٹ کا بڑا حصہ دفاعی اخراجات کی نذر ہو گیا اور باقی ماندہ رقم متاثرین کی بحالی پر خرچ ہوئی اس پر مستزاد دو مختصر مگر شدید جنگوں نے معیشت کی رہی سہی کسر بھی نکال دی تاہم مذہبی رواداری اور مندرجہ بالا مسائل کے پیش نظر لوگوں نے فلاحی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا اور تمام کوششوں کے نتیجے میں میں رفاہی اور نیم سرکاری تنظیموں کی ایک خاص تعداد نے زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کا آغاز کیا۔

ان تنظیموں کا دائرہ کار محلے سے شروع ہو کر صوبہ اور پھر قومی سطح پر جاتا تھا صورت حال کا ادراک کرتے ہوئے حکومت پاکستان نے سماجی فلاح کے منظم نیٹ ورک کو ضروری سمجھا کیونکہ اصلاح احوال اور عوام کے مسائل کو کم کرنے کے لیے یہی واحد راستہ تھا، عوام کی بھرپور شرکت کے لیے حکومت نے ایک قانون Registration and control Ordiance منظور کیا اس قانون کے تحت عوام غیر سرکاری تنظیموں کے قیام کی اجازت دے دی گئی تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں مجبور اور لاچار لوگوں کی مدد کر سکیں۔(۹)

پاکستان میں رجسٹرڈ NGO's:

اسوقت صرف ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں رجسٹرڈ NGO's تعداد ۴۴،۲۸۸ ہے۔

سرکاری تنظیموں کا دائرہ کار: غیر سرکاری تنظیموں کا دائرہ کار درج ذیل ہے:

☆ مقامی سطح پر ☆ صوبائی سطح پر ☆ برادری کی سطح پر

☆ قومی سطح پر ☆ ضلعی سطح پر ☆ بین الاقوامی سطح پر ☆ علاقائی سطح پر

غیر سرکاری تنظیموں کی اقسام:

☆ سیاسی NGO's ☆ مذہبی NGO's ☆ امدادی NGO's ☆ ترقیاتی NGO,s

NGO'sر کے کام کا طریقہ کار:

غیر سرکاری تنظیمیں سب سے پہلے علاقائی ہدف طے کرتی ہیں اور پھر اس مخصوص علاقے میں اپنے نظریاتی حامیوں کو تلاش کر کے اپنی لابی مضبوط کرتی ہیں اور لوگوں کو شعور دینے کے لیے اپنے حلقے کو وسعت دیتی ہیں مشترکہ مفادات تلاش کرتی ہیں اور ان پر لوگوں کی ذہن سازی کرتی ہیں اپنے کام کو بہتر بنانے کیلیے Feed back کے نظام کو متعارف کرواتی ہیں۔ یہ طریقہ کار کچھ اس طرح سے ہوتا ہے:

☆ کسی بھی علاقے میں NGO's اپنا سیٹ اپ قائم کرنے سے قبل وہاں پر اپنے ایجنڈے اور سوچ کے مطابق خیالات رکھنے والے لوگ تلاش کرتی ہیں اور پھر ان کی ذہن سازی کر کے انھی کے ذریعے پس پردہ رہ کر اپنے مقاصد حاصل کرتی ہیں۔

☆ معاشرے میں چھپے ہوئے اپنے حامیوں کے ذریعے مخصوص علاقے کے لوگوں کی ذہن سازی کر کے پھر انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ذہن سازی ان کے اصل مقاصد کے حصول کے لیے انتہا درجے کی اہمیت رکھتی ہے۔

☆ لوگوں کو درپیش مسائل اور ان کے حل کے لیے لائحہ عمل مرتب کر کے لوگوں کے اندر شعور پیدا کرتی ہیں جس سے وہ اپنے مسائل اور ان کے حل کے بارے میں آگاہی حاصل کرتے ہیں پھر اس آگاہی کو اپنے مقاصد کے استعمال کرتے ہیں۔

☆ مثال کے طور پر UNESCO or Unicef کے بعض پراجیکٹ ان NGO's کو دیے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کی نگرانی کریں۔

☆ غیر سرکاری تنظیمیں جب کسی علاقے میں اپنے قدم جما لیتی ہیں تو وہاں پر موجود اداروں اور لوگوں کی ترقی کے لیے امداد اور معاونت کرتی ہیں اور بعض اوقات ملک کی ترقی کے لیے مختلف شعبوں میں حکومت کے منصوبوں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔

☆ غیر سرکاری تنظیمیں بعض اوقات اپنے نیٹ ورک کو مؤثر ثابت کرنے اور عوام الناس کے حقوق کے لیے احتجاج کا راستہ اختیار کرتی ہیں عام طور پر غیر سرکاری تنظیموں کا مزاج اس بات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ NGO's حکومت کے خلاف محاذ نہیں کھولتیں احتجاج مؤثر اور منظم انداز میں کرتی ہیں۔(۱۰)

تحریک نسواں اور NGO's کا کردار:

ہمارے بہت سے معاشرتی و تعلیمی مسائل کے حل میں ان این جی اوز نے بہت حد تک مثبت کردار ادا کیا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا ہے کیونکہ اہلِ مغرب نے ان غیر سرکاری تنظیموں کو اپنے

مقاصد کے تحت استعمال کیا ہے اور ان تنظیموں نے در پردہ مغربی اہداف کو حاصل کرنے کے لیے کام کیا ہے اور استشراقی ایجنڈے کی تکمیل میں ایک سرگرم کارکن کی حیثیت اختیار کی ہے۔ یہ تنظیمیں اس لیے بھی بااثر ہیں کہ ان کی پشت پناہ بہت سی بااثر شخصیات ہیں اور ان کے پیچھے اہلِ مغرب کا ہاتھ ہے جو انہیں فنڈز فراہم کرتے ہیں۔ محمد متین خالد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

سرزمینِ پاکستان اسلام بیزار اور پاکستان دشمن این جی اوز کے لیے شروع ہی سے زرخیز اور ثمرریز ثابت ہوئی ہے۔ مقتدر طبقات کی اغراض پرستیوں اور نااہلیوں نے انہیں ہمیشہ 'فری ہینڈ' فراہم کیا ہے کہ وہ اس ملک کی سلامتی و استحکام کا دامن جس طرح چاہیں چاک کریں یہاں انہیں خصوصی اجازت رہی ہے کہ وہ جب اور جس طرح چاہیں اپنے غیر ملکی آقاؤں کے عزائم کی تکمیل کریں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہر حکومت نے خواہ وہ سیکولر ہو یا اس نے اپنے چہرے پر اسلام دوستی کا ماسک چڑھا رکھا ہو۔ ان اسلام دشمنوں اور وطن فروشوں کے خلاف کاروائی کرنے کی بجائے ہمیشہ ان کی سرپرستی کی۔ ان کے پاک مقاصد و عزائم کی آبیاری کی۔ انہیں معززین قوم قرار دے کر 'وی آئی پی' کی حیثیت سے نوازا جبکہ دوسری طرف ان کے خلاف آواز بلند کرنے والے محبانِ وطن کو حکومت کی طرف سے نہ صرف سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ ان کا تمسخر بھی اڑایا جاتا رہا۔ (۱۱)

یہ بات بہت زیادہ افسوس ناک ہے کہ پاکستان جو دنیا کا واحد ملک ہے جس کی تخلیق کے پیچھے ایک نظریہ کارفرما تھا اور وہ نظریہ یہ تھا کہ مسلمان غیروں کی سیاسی، ذہنی اور اقتصادی غلامی سے آزاد ہو کر اسلامی اقدار کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں گے اور اس نظریاتی مملکت کا ہر فرد اسلام کا انسانِ مطلوب بنے گا لیکن اس کے قیام کے فوراً بعد ہی اس پر مغربیت پسندی، جدیدیت، آزادیِ نسواں اور فیشن پرستی کا فتنہ پوری حشر سامانیوں سے حملہ آور ہو گیا، وقت کے ساتھ ساتھ حکومت نے اس کی آبیاری ہی کی ہے۔ نیز حکومتی سرپرستی کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کا تعاون بھی اسے بھرپور انداز میں میسر آیا ہے۔ اب پاکستان میں ان کی کامیابی اور کارکردگی کا اندازہ ذرائع ابلاغ پر ان کے پیش کیے جانے والے پروگراموں، عریاں اور فحش ڈائیلاگ پر مبنی ڈراموں، مغربی ثقافت کے عکاس ڈرامے اور دیگر پروگرامز ہیں۔ مغربیت پسندی کی حد تو یہ ہو گئی ہے کہ پاکستانی عورت سے اس کا لباس تک چھین لیا گیا ہے۔ مستشرقین اور اہلِ مغرب کا جو اعتراض تھا کہ اسلام میں عورت مجبور ہے اور مرد کی دست نگر ہے، اس اعتراض کو ختم کرنے کیلیے پاکستان میں مغربی کلچر کو فروغ دیا گیا۔

جدید تہذیب جو اس بات کی دعویدار ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب نے عورت کو دوسرے درجے ہی کی مخلوق سمجھا ہے۔ اگرچہ اسلام نے باقی مذاہب سے زیادہ حقوق دیئے ہیں مگر وہ بھی صرف چند حقوق ہی ہیں حالانکہ عورت کو اصل حقوق اسلام ہی نے دیئے ہیں۔ جدید تہذیب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اسلام عورتوں کو حقوق، آزادی اور مساوات دلانے میں ناکام رہا ہے کیونکہ عصرِ حاضر میں پائی جانے والی مسلم عورت کی زبوں حالی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ لہٰذا اس صورتِ حال کا

تقاضا ہے کہ تہذیب جدید مسلم عورت کی مدد کرے، اس کی تحقیر و تذلیل کو اس کی عزت و آزادی سے، اس کی امورِ خانہ داری کو مساوات مرد و زن سے بدل دے اور اسے مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کرے تا کہ اسے اس ظلم و استحصال، اس جبر سے چھٹکارا مل جائے جو عرصہ دراز سے اس پر روا رکھا گیا تھا۔ مغرب کے اس ایجنڈے کو پورا کرنے کے لیے این جی اوز نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

1951ء پاکستان میں سب سے پہلے جس سرکاری تنظیم کا قیام عمل میں آیا وہ اپوا (آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن) تھی۔ اس تنظیم نے پاکستان میں بھی مخلوط معاشرہ قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان اس کی روحِ رواں تھیں۔ انہوں نے 28 جنوری 1949ء کو جہلم میں جموں کشمیر کے پناہ گزینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اب وہ وقت نہیں رہا کہ مسلمان عورتیں گھروں کی چاردیواری میں بند بیٹھی رہیں۔ اب انہیں خوابِ غفلت سے بیدار ہونا ہوگا اور گھروں سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ قوم کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینا ہوگا... اور مردوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی عورتوں کی راہ میں حائل نہ ہوں، وہ انہیں اس بات کا موقع دیں کہ وہ ان فنون کو سیکھ سکیں جن کی اہلیت ان کے اندر پائی جاتی ہو۔ (۱۲)

این جی اوز کے مقاصد:

ملک کی تعمیر و ترقی میں این جی اوز کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، فلاحی اور ترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے این جی اوز نے چاروں صوبوں میں اہم کردار ادا کیا ہے جبکہ کئی ایسی این جی اوز بھی ہیں جن کی سرگرمیاں اور کردار مشکوک ہے اور ان کے عزائم اسلام دشمن قوتوں اور ملک دشمن عناصر کے مقاصد کی تکمیل ہے۔ ذیل میں ایسی ہی این جی اوز کے مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔ ان این جی اوز کے مقاصد بیان کرتے ہوئے محمد متین خالد لکھتے ہیں:

یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہماری نظریاتی سرحدیں بھی ہیں۔ ملک بھر میں غلیظ مکھیوں کی طرح پھیلی ہوئی ہماری این جی اوز مغرب کے اشارے پر مسلسل ہماری نظریاتی سرحدوں پر حملے کرتی ہیں۔ ان کا ایجنڈا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کی سرگرمیاں شریعت اور قرآن مجید کو (نعوذ باللہ) ناقابلِ عمل قرار دلوانے میں، ارتداد کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں سے نورِ ایمان کی دولت ختم کرنے، جہاد کو دہشت گردی قرار دینے، قانونِ توہینِ رسالت، اور حدود قوانین کو ختم کرنے، سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور دیگر گستاخانِ رسول، کی حمایت و تائید کرنے، دینی مدارس پر پابندی لگانے، اسلامی تعلیم کے خاتمے، مخلوط انتخابات کروانے، اسلامی کلچر کے بجائے سیکولرازم کو فروغ دینے، یہودیت اور عیسائیت کے غلبے، ایٹمی پروگرام کی مخالفت، سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے، فوج کا سائز کم کرنے، مسلمانوں کو تہذیبی طور پر غلام بنانے، مشترکہ خاندانی نظام سبوتاژ کرنے، ہم جنس پرستی کو فروغ دینے، خاتونِ خانہ کو گھر سے نکال کر شمع محفل بنانے، طوائفوں کو جنسی ورکر قرار دینے،

گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کو خاندان سے متنفر کرنے، اسقاطِ حمل اور کنڈوم کلچر کو فروغ دینے کے لیے ہی وقف ہیں(۱۳)

مغرب نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے یہ سوچا کہ ان کی کامیابی تبھی ممکن ہے جب وہ انسانی زندگی کے ہر گوشے تک رسائی حاصل کر سلیں، اس لیے سب سے پہلے انہوں نے سیاست میں قدم رکھا، پھر اقتصادیات کی راہ سے ہوتے ہوئے تہذیب و تمدن پر حملہ کیا گیا اور پھر معاشرے پر دست درازی کی گئی۔ اس کا مقصد ایک ایسے معاشرے کو رائج کرنا تھا جہاں مغربی اصولوں کی بالادستی اور سیادت ہو چونکہ خاندان معاشرے کی بنیاد ہے، اس لیے مغرب نے معاشرہ کو بدلنے کے لیے خاندان پر اثر انداز ہونا ضروری خیال کیا۔ معاشرے کو مغربی مفہوم دینے کے لیے "خاندان" کو تمام دینی، اخلاقی اور ملکی حدود سے پاک کرنے کے لیے انہوں نے این جی اوز کو اپنا ایجنڈا سونپا اور "عورت" کا سہارا لیا۔ "عورت کے حوالے سے مغرب نے اسلام پر ہی سب سے زیادہ ریشہ دوانیاں کیں۔ مسلمان عورت کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ وہ اسلامی معاشرے میں ایک "مظلوم" کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے وہ حقوق حاصل نہیں ہیں جن کی وہ مستحق ہے۔ اسلام نے عورت پر پردہ مسلط کر کے عورت کو مرد کا اسیر اور غلام بنا دیا ہے۔ اسلام میں مرد و عورت کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ لہٰذا عورت کو چاہئے کہ وہ مغربی معاشرے کی آغوش میں آ جائے۔"(۱۴)

پاکستان میں مغرب کے ان مقاصد کی تکمیل میں سرِفہرست وہ خواتین تھیں جو خود مغربیت زدہ تھیں اور مغرب نے انہیں اپنا آلہ کار بناتے ہوئے ایسی غیر سرکاری تنظیموں کی سربراہی سونپ دی کہ جن کا ایجنڈا ہی "عورت کو آزادی، مساوات اور حقوق دلوانا تھا۔" چنانچہ عورت کے ہتھیار سے اسلام پر حملہ کرنے اور اس کی مضبوط عمارت کو منہدم کرنے کیلیے مغرب نے تین طریقے استعمال کیے:

۱) یورپ و امریکہ کی جانب سے خواتین کی مقامی، سوشل اور سیکولر تنظیموں کی دل کھول کر مدد کی گئی اور ان تنظیموں اور اداروں کو امداد فراہم کی گئی جس کا مقصد عورت کو گمراہ کرنا تھا۔

۲) ایسے عالمی معاہدات پر دستخط کروانے کے لیے قرضے معاف کرنے کا لالچ دینا اور امداد کی فراہمی میں اضافہ کرنا کہ جو انسانی حقوق کی حفاظت اور عورت کے خلاف ہر طرح کے امتیاز کو زائل کر سکیں۔

۳) اقوامِ متحدہ کے نام پر ہونے والی کانفرنسیں اس کا ذریعہ ہیں۔ کانفرنسوں میں جو مقالے پیش کیے جاتے ہیں ان کا مقصد مسلمان عورت کو اس کے معاشرتی نظام سے نکال دینا ہے جس کی بنیاد عورت ہے۔

عائلی قوانین 1961ء کا نفاذ اور این جی اوز کا کردار:

این جی اوز نے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے 1962ء میں صدر ایوب سے عائلی قوانین منظور کروائے جن میں سے بیشتر قرآن وسنت سے متصادم ہیں۔ پھر انہی این جی اوز کی سرکردہ شخصیات نے اپنی من گھڑت تاویلات سے یہ ثابت کرنے

کی بھرپور کوشش کی کہ مغربی نظامِ معاشرت ہی قرآن وسنت کی منشا کو پورا کرتا ہے۔" اپوائی انجمن نے 1962ء میں صدر ایوب سے عائلی قوانین منظور کروائے۔(۱۵)

ان قوانین کے ذریعے مسلمانوں کے عائلی قوانین میں کئی تبدیلیاں یو این او سے مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے کی گئیں اور ضبطِ ولادت کی تحریک کو مقبول عام بنانے کے لیے این جی اوز نے بہت کام کیا۔

حدود آرڈیننس 1979ء کا نفاذ اور این جی اوز کا پروپیگنڈا:

جب پاکستان میں حدود آرڈیننس نافذ کیا گیا تو آزادیِ نسواں کی علمبردار تنظیموں کے لیے یہ بات ناقابل منظور تھی کیونکہ اس سے ان کی آزادی اور ان کے اس ایجنڈے کو زک پہنچتی تھی جس پر وہ کام کر رہی تھیں۔ نیز مغرب کے مفادات کو بھی چونکہ اس آرڈیننس سے خطرات لاحق تھے چنانچہ مغرب نے اپنی ان پروردہ تنظیموں کے ذریعے حقوقِ انسانی، آزادی اور حقوقِ نسواں کے نعرے مزید زور وشور اور شدومد سے پروان چڑھائے تاکہ پاکستان میں کوئی ایسا نظام یا قانون قائم نہ ہوسکے جس سے چادر اور چاردیواری کا تحفظ ہوتا ہو اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی کوئی صورت ہو کیونکہ وہ مسلم عورت کو بھی اسی چکی میں پیسنا چاہتے ہیں جس میں ان نام نہاد علمبرداروں کی مغربی عورت پس رہی ہے۔ لہٰذا ان اداروں نے اخباری پروپیگنڈے، مذاکروں، قراردادوں کے ذریعے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ خواتین کا دیت اور شہادت والا قانون تبدیل کرے بلکہ بعض نے کہا کہ ہمیں وہ قرآن نہیں چاہیے جو عورت کو آدھی شہادت کا مقام دیتا ہے۔ ہمیں وہ قرآن چاہیے جو ہمیں مساوات دے کیونکہ ہمیں مساوات چاہیے ورنہ ہمیں ایسے قرآن وحدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ حتی کہ بعض عورتوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ پھر ہم نماز بھی آدھی پڑھیں گی، روزے بھی آدھے رکھیں گی اور حج بھی آدھا کریں گی۔ گویا اس طرح تمام شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑایا گیا۔ عاصمہ جہانگیر صاحبہ نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا: اگر مرد چار شادیاں کرسکتا ہے تو عورت چار شادیاں کیوں نہیں کرسکتی؟

غلام احمد پرویز اس سلسلے میں یوں کہتے ہیں:

''جن کو تم اسلامی قوانین کہتے ہو یہ قوانین تو ہمارے دورِ ملوکیت میں اس زمانے میں وضع ہوئے تھے جب عورتیں مویشیوں کی طرح منڈی میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔ ہمارے قوانین شریعت "مردوں" کے بنائے ہوئے ہیں، اس لیے ان میں مردوں کو ہر حال میں بالادست رکھا گیا ہے اور عورت بیچاری کو کچل دیا گیا ہے۔''(۱۶)

حدود قوانین کو اگرچہ نفاذ کے اولین دن ہی سے "ترقی پسند اور روشن خیال" حلقوں کی جانب سے اعتراضات اور تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن اس مہم میں تیزی نائن الیون کے واقعے کے بعد بھرپور جوش و جذبے سے آئی ہے۔ یہ اعتراضات مغرب کی طرف سے اٹھائے ہی گئے تھے کہ ہمارے مغرب پسند اور مغرب نواز حکمران بھی ان ہی کے ہم خیال

بن گئے کہ جن کے آئیڈیل "اتاترک" ہے اور نظامِ زندگی سیکولرازم کا پرتو ہے۔لہٰذا انہوں نے بھی متعدد بار اس خیال کا اظہار کیا کہ حدود قوانین چونکہ فرد واحد کے نافذ کردہ ہیں، اس لیے ان پر نظر ثانی وغیرہ کرنے میں کوئی پابندی یا مضائقہ نہیں ہے۔اپنے اس مؤقف کو تقویت دینے کے لیے جنرل پرویز مشرف صاحب نے " نیشنل کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن" کو حدود قوانین کا ازسرِ نو جائزہ لینے کا فریضہ سونپا۔کمیشن کی چیئرمین ریٹائرڈ جسٹس ماجدہ رضوی نے 2003ء کی آخری سہ ماہی میں اپنی جائزہ رپورٹ جنرل پرویز مشرف کو پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ حدود قوانین میں تبدیلیوں یا ترمیمات سے عورتوں کے حقوق پر پڑنے والے منفی اثرات کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔اس لیے ان قوانین کو سرے سے ختم کر دینا ہی مناسب ہے۔کمیشن کے دو ارکان نے البتہ اس رپورٹ سے اختلاف کیا اور ان قوانین کی منسوخی کی بجائے ان میں مناسب ترامیم کو ممکن قرار دیا۔ ان سفارشات کے آتے ہی حکومتی حلقوں نے سرگرمی سے حدود قوانین میں تبدیلی کے امکانات اور اثرات پر کام شروع کر دیا۔اس صورتحال پر بعدازاں ہیومن رائٹس کمیشن آف امریکہ کی ایک رپورٹ نے مہمیز کا کام کیا۔یہ رپورٹ سال 2003ء میں دنیا بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے تیار کی گئی تھی جو مئی 2004ء میں پاکستان کے اخبارات کی زینت بنی۔اس رپورٹ میں حدود قوانین کے ساتھ ساتھ قانون توہینِ رسالت کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور کہا گیا کہ یہ قوانین انسانی حقوق کے عالمی چارٹر سے مکمل طور پر متصادم ہیں۔نیز اس طرح کے قوانین کی موجودگی میں پاکستان میں موجود اقلیتیں عدم تحفظ کا شکار ہیں اور خوف زدہ ہیں لہٰذا حکومت اور انسانی حقوق کی تنظیموں پر زور دیا گیا کہ وہ ان حدود قوانین کے خاتمے کے لیے بھرپور انداز میں اپنا کردار ادا کریں۔(۱۷)

اس رپورٹ کے بعد حدود قوانین میں ترامیم کا کام یا منسوخی کے بارے میں مغربی افکار و نظریات کے حامل افراد اور این جی اوز میدانِ عمل میں بھرپور انداز میں آگے بڑھیں تا کہ ان قوانین کو ختم کیا جا سکے۔کیونکہ اہلِ مغرب کو یہ آرڈیننس اپنے عزائم کی راہ میں رکاوٹ لگتا تھا۔چنانچہ تمام عرصے میں مغربی میڈیا اور پاکستانی میڈیا کو کسی نہ کسی طرح اس محاذ پر سرگرم رکھا گیا بلکہ جب مشرف دور میں اس حقوقِ نسواں بل کے حوالے سے قانون سازی ہو رہی تھی تو یہی این جی اوز ذرائع ابلاغ کے سہارے "عوام میں شعور" بیدار کرنے کی مہم میں سرگرم عمل تھیں بلکہ باقاعدہ میڈیا پر "ذرا سوچیے" کے نام سے اس مہم کو شروع کیا گیا تھا۔ان این جی اوز نے بہت سا لٹریچر حدود آرڈیننس کے خلاف چھاپا، اخبارات اور ٹی وی چینلز پر بیانات دیئے اور لوگوں کو اکسایا کہ وہ حدود آرڈیننس کے خلاف رائے دیں۔

ان قوانین کی منسوخی سے درحقیقت سب سے اہم ہدف توہینِ رسالت کی سزا پر گرفت کرنا مقصود تھا تا کہ کوئی بھی فرد خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر وہ شانِ رسالت میں گستاخی یا بے ادبی کرتا ہے تو اُسے سزائے موت سے بچایا جا سکے۔

خواتین ایکٹ، کے اصل اغراض و مقاصد:

"خواتین ایکٹ" کے اصل اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے حافظ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں کہ "سزاؤں میں تخفیف سے جرائم کی حوصلہ شکنی کی بجائے حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ہمارے خیال میں اس ترمیمی قانون کے ذریعے مغرب اسلامی ملکوں میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اس کی طرف کافی پیش رفت ہو چکی ہے اور وہ کیا کیا کرنا چاہتا ہے؟ مغربی تہذیب اور اس کے فلسفے کے مطابق وہ چاہتا ہے کہ مغربی ملکوں کی طرح

- اسلامی ممالک میں بھی اخلاقی جرائم عام ہوں
- زنا کاری کی سہولتیں عام ہوں
- خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے جو ابھی تک بہت حد تک محفوظ ہے
- یہاں بھی بن بیاہی (کنواری) ماؤں کا طوفان آ جائے۔

این جی اوز کی کرتا دھرتا مغرب پسند اور مغرب نواز خواتین اور مغربیت کے دلدادہ و مغلوب زدہ ذہن کے حامل افراد نے چلائی اور اس کو میڈیا میں خوب اچھالا گیا حالانکہ یہ ایک قانونی معاملہ تھا اور اس معاملے پر اگر ماہرینِ قانون، علماء و دانشور حضرات و جج صاحبان خود مل بیٹھ کر بحث کر لیتے تو بہت سی خامیاں جو حدود آرڈیننس میں موجود تھیں، ان کی اصلاح کر لی جاتی۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ اس کے در پردہ ان کے عزائم یہ ہیں کہ میڈیائی یلغار کا یہ سلسلہ صرف حدود آرڈیننس پر ہی ختم نہ ہو بلکہ اس کے اگلے اہداف فیڈرل شریعت کورٹ اور توہینِ رسالت سے متعلق آئین و قانون کی وہ شقیں ہوں گی جو اہلِ مغرب کی نظروں میں کانٹا بن کر چبھتی ہیں۔(۱۸)

اس حقوقِ نسواں بل کے اثرات یہ ہوں گے کہ پاکستان کے شہروں میں بھی لندن، پیرس اور امریکہ کی طرح باقاعدہ فحاشی و عریانی کے اڈے کھولے جائیں گے ان کیلیے قانون سازی کی جائے گی اور شراب نوشی وغیرہ پر جو تھوڑی بہت پابندی ہے اس کو بھی ختم کیا جائے گا۔ اعلانیہ منکرات کا ارتکاب ہوگا اور ہوس کاری کی کھلی چھٹی مل جائے گی اور اصل خطرہ تو یہ لاحق ہے کہ توہینِ رسالت کا قانون اور جتنی اسلامی شقیں ہیں وہ آہستہ آہستہ انسانی حقوق کے نام پر، آزادی کے نام پر، آزادی نسواں کے نام پر، جمہوریت کے نام پر نکال دی جائیں گی۔ اور یہاں لادینی معاشرہ قائم ہوگا جو کہ اصل ہدف ہے اقوامِ مغرب کا اور ان کے پروردہ افراد کا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلامی قانون کی بالادستی قائم کرنے والا اور نافذ کرنے والا بنائے۔ آمین۔

بین الاقوامی کانفرنسز اور این جی اوز:

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد پاکستان یو-این-او کا ممبر بن گیا تھا لہٰذا عورت کے حقوق کے نام پر منعقد ہونے والی ان

تمام کانفرنسوں میں پاکستانی خواتین کے سرکاری وغیر سرکاری وفد باقاعدگی سے شامل ہوتے ہیں اوران کو پاکستان کے حوالے سے مختلف ایجنڈے تکمیل کے لیے دیئے جاتے ہیں اوران پاکستانی خواتین پر گویا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے ایجنڈوں کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد 1949ء ہی میں عورتوں کو ووٹ کا حق حاصل ہوگیا۔ 1961ء میں ایوب خان نے ان غیر سرکاری تنظیموں کے مطالبے پر جو عائلی قوانین نافذ کیے ان کے پس پردہ مقصد یو-این-او سے مطابقت پیدا کرنا تھا۔ 1973ء میں عورتوں کو ہر طرح کی سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا اور مرد و زن کی مساوات کا نظریہ پروان چڑھایا گیا۔ اسی دور میں خاندانی منصوبہ بندی کا نظریہ بھی پوری آب و تاب سے اجاگر کیا گیا اور اس تحریک کو مقبول عام بنانے کے لیے ہر طرح کے ذرائع ابلاغ کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔

1975ء میں پاکستان میں کئی غیر سرکاری تنظیمیں وجود میں آئیں۔ یہ تنظیمیں میکسیکو کی عالمی کانفرنس 1975ء میں شرکت کے بعد وجود میں آئیں تاکہ مغربی ایجنڈے کو پورا کرنے کے لیے مسلم خواتین کو بے حجاب اور بے راہ رو کرنے میں مدد کرسکیں۔ ضیاء دور میں جب 1979ء میں حدود آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ نیز عورت کو چادر اور چار دیواری کا پابند کیا گیا تو ان غیر سرکاری تنظیموں نے ان اقدامات کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور ہر سطح پر حکومت کے اقدامات کی مخالفت کی۔ اگرچہ ان تنظیموں کی تعداد کم تھی مگر چونکہ انہیں مغربی ذرائع ابلاغ کی بھرپور مدد حاصل تھی اور اقوام مغرب چاہتی بھی یہ تھیں کہ خلاف اسلام نظریات کی بڑی کوریج ہو چنانچہ انہوں نے اس مہم کو خوب اچھالا۔

تیسری عالمی خواتین کانفرنس منعقدہ کوپن ہیگن 1990ء میں پاکستانی وفد نے شرکت کی۔ اس میں عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمے کے لیے پاکستان نے عالمی کنونشن پر دستخط کیے۔ 1994ء میں " آبادی اور ترقی " کے موضوع پر ہونے والی عالمی کانفرنس جو قاہرہ میں منعقد ہوئی تھی اس میں بھی پاکستان نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کا اصل مقصد مسلم ممالک میں ضبطِ ولادت کے طریقے اور ذرائع کو فروغ دینے کے لیے مختلف پالیسیز مرتب کرنا تھا اور پاکستان کو اپنے ملک میں اس حوالے سے اقدامات کرنا تھے۔ خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس 1995ء میں بیجنگ میں ہوئی اور اس میں بھی زناکاری، فحاشی وعریانی اور ضبطِ ولادت کے مختلف طریقوں کو ایجنڈا بنایا گیا تھا۔ (۱۹)

خواتین انکوائری کمیشن کا قیام و پیش کردہ سفارشات:

ستمبر 1994ء میں پاکستانی سینٹ کی ایک قرارداد کے ذریعے ایک خواتین انکوائری کمیشن قائم کیا گیا جس کا مقصد پاکستانی خواتین کے بارے میں کتاب وسنت کی روشنی میں مؤثر سفارشات تیار کرنا تھا۔ اس کمیشن نے 180 صفحات پر مشتمل رپورٹ 1997ء میں پیش کی۔ اس کی سفارشات درج ذیل ہیں:

کمیشن نے 1997ء میں جو رپورٹ پیش کی اس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ حدود قوانین کا خاتمہ اور وفاقی شرعی عدالت کو بھی ختم کیا جائے۔

۲۔ مرد و عورت کے درمیان ہر طرح کے منفی امتیازات کو ختم کیا جائے۔

۳۔ سیاسی اداروں میں عورت کو نمائندگی 33 فیصد دی جائے۔

۴۔ غیر مسلم مرد سے شادی پر کسی قسم کا مؤاخذہ نہ ہو۔

۵۔ سولہ سال سے کم عمر بچی کی شادی نہیں کی جاسکتی۔ اگر کی جائے گی تو ولی کو تین سے پانچ سال تک قید اور جرمانہ کی سزا دی جائے لیکن اگر لڑکی کی مرضی سے کم عمر میں اس کی شادی کردی جائے تو پھر قابلِ مؤاخذہ نہیں ہے۔

۶۔ شناختی کارڈ پر خواتین کی تصویر چسپاں کرنا ضروری قرار دیا جائے۔

۷۔ مرد و عورت دیت میں برابر ہو اور دیت کی رقم بھی مساوی تقسیم ہو۔

۸۔ اسقاطِ حمل کو قانونی حق قرار دیا جائے اور تین ماہ تک اس کی اجازت دی جائے اور اگر زنا کے نتیجے میں ہو تو پھر اس مدت کے بعد بھی حمل ساقط کروایا جاسکتا ہے۔

۹۔ قحبہ گری کرنے والی خواتین کو سزا نہ دی جائے۔ یہ عورتیں مظلوم ہیں۔ ان کے معاشی اخراجات وہ لوگ برداشت کریں جو ان سے پیشہ کرواتے ہیں۔

۱۰۔ نکاح کے وقت عورت کو تفویضِ طلاق کا حق دیا جائے۔

۱۱۔ ضبطِ ولادت کے لیے کھلی چھٹی دے دی گئی۔

۱۲۔ شوہر بیوی کو حقِ زوجیت کی ادائیگی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ (۲۰)

یہ ان پیش کردہ سفارشات کے اہم نکات تھے جو کمیشن کے گیارہ ممبران نے پیش کیے۔ ان میں محترمہ عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ صاحبہ بھی تھیں۔ یہ مقام کس قدر قابلِ افسوس ہے کہ اہلِ مغرب کس طرح امداد اور فنڈز کا لالچ دے کر مختلف اداروں اور افراد کو اپنے تیار کردہ ایجنڈے پر کام کرنے کیلیے تیار کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح مسلم معاشروں سے ان کی شرم و حیا چھین لی جائے۔ ان کے خاندانی استحکام کو انتشار سے دوچار کیا جائے۔ عورت سے عفت و پاکدامنی، شرم و حیا چھین کر اسے آزادی، مساوات، جدیدیت کا لبادہ اوڑھا دیا جائے۔ یہ مختلف کانفرنسز جو منعقد کی گئیں تھیں ان میں یہی شیطانی ایجنڈے تیار کر کے ان مسلم ممالک کے حوالے کردیئے گئے جہاں پر مغرب انہیں پورا کروانا چاہتا تھا۔ یہ انکوائری کمیشن بھی دراصل اسی ایجنڈے کو قابلِ عمل بنانے کا حصہ ہے۔

بیجنگ پلس فائیو کانفرنس اور این جی اوز:

نیو یارک میں اقوامِ متحدہ کے نمائندوں کے ذریعے یہودیوں کا ایک بہت بڑا اور خوفناک شیطانی منصوبہ جون 2000ء میں پیش کیا گیا اور اس کانفرنس میں خواتین کی ترقی اور صنفی مساوات کے نام پر ایک بارہ نکاتی ایجنڈا طے کیا گیا اور اس کا نام "خواتین 2000ء واکیسویں صدی میں صنفی مساوات، امن اور ترقی" رکھا گیا۔ اس کانفرنس میں پیش کیے جانے والے نکات درج ذیل ہیں:

۱) غربت ۲) تعلیم ۳) حفظانِ صحت

۴) عورتوں پر تشدد ۵) مسلح تصادم ۶) معاشی عدم مساوات

۷) مختلف اداروں میں عورت کی نمائندگی میں تناسب 33 فیصد تک

۸) عورت کے انسانی حقوق ۹) مواصلاتی نظام خصوصاً ذرائع ابلاغ

۱۰) ماحول اور قدرتی وسائل ۱۱) چھوٹی بچی ۱۲) اختیارات اور فیصلہ سازی (۲۱)

اس کانفرنس کا نام بیجنگ 5+ اس لیے رکھا گیا کہ یہ کانفرنس بیجنگ کانفرنس کے پانچ سال بعد ہو رہی تھی اور اس کانفرنس کو منعقد کرنے کا مقصد یہ تھا کہ رکن ممالک کو عمل درآمد کے لیے جو ایجنڈا دیا گیا ہے اس پر کہاں تک عمل ہو سکا ہے۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لیے سرکاری وفد جو پاکستان سے گیا اس میں سماجی بہبود اور خواتین کی وزیر شاہین عتیق الرحمٰن، ڈاکٹر یاسمین راشد، ثمینہ پیرزادہ، ڈاکٹر رخسانہ اور زرین خالد شامل تھیں۔ اس وفد کی سربراہ وفاقی وزیرِ تعلیم زبیدہ جلال تھیں۔ اس کے علاوہ کئی این جی اوز بھی وہاں موجود تھیں۔

پاکستان میں موجود دینی جماعتوں، علماء اور امت کے اہلِ نظر و بصیرت حضرات نے اس ایجنڈے کے عواقب سے حکومت کو آگاہ کیا اور اس پر دستخط کرنے سے منع کیا جس وجہ سے اس ایجنڈے پر دستخط نہ ہو سکے لیکن یہ معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہوا کیونکہ اب وار کسی اور جہت سے ہوگا۔

پیر بنامین رضوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس کانفرنس کے ذریعے معاشرے میں ماں، بیٹی، بہن، بیوی کے مقدس رشتوں کی اہمیت اور احترام کو ختم کر کے عورت کو 'آزاد پنچھی' بنانا، طوائفوں کو جنسی کارکن ڈیکلیئر کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کرنا، اسقاطِ حمل کو فروغ دینا تاکہ بدکاری اور زناکاری کو تحفظ حاصل ہو سکے۔ بچے کی پیدائش اور تولیدی سرگرمیوں پر عورت کی طرف سے معاوضے کا مطالبہ، بال بچے کی پرورش اور گھریلو ذمہ داریوں کا مناسب فریضہ عورت پر ختم کرنا اور گھریلو کام کاج سے باغی کرنا، عورتوں کو زنا اور اسقاط کا قانونی حق دینا اور خواتین کے خلاف ہر طرح کا امتیازی طرزِ عمل ختم کرنا۔

اس کانفرنس کے ایجنڈے کو عالمی فرمان کا نام دیا گیا۔ اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام اس اجلاس کو غیر مسلم ممالک کی طرف سے مسلمان اور اسلامی معاشرے کی تباہی کا خطرناک ترین شیطانی منصوبہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس بے ہودہ کانفرنس کے ایجنڈے میں ازدواجی عصمت دری کے نام سے ایک نئے جرم کا تعارف کروایا گیا ہے جس کا مقصد میاں بیوی کے پاکیزہ ازدواجی رشتے کے عمل سے فرار کا رجحان پیدا کرنا ہے۔ عورت کے حقوق کے نام پر یہ خوفناک شیطانی منصوبہ اسلامی دنیا پر مسلط کرنے کا مغربی منصوبہ ہے۔ مغرب کی تہذیبی یلغار کے زیرِ اثر این جی اوز چلانے والی بعض پاکستانی خواتین اس شیطانی منصوبے کی تکمیل کے لیے متحرک ہیں۔" (۲۲)

اہلِ اسلام اور اہلِ مغرب دونوں کی معاشرتی و اخلاقی اقدار یکسر ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اقوامِ مغرب کے ہاں غیرت و عصمت، شرم و حیاء، پاکیزگی و پاکدامنی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے حتیٰ کہ ان کے ہاں نکاح ایک فرسودہ رسم ہی سمجھی جاتی ہے اور اسے اور عائلی زندگی کو ایک بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ اس آبرو باختہ معاشرے کے افراد اہلِ اسلام کی غیرت و عصمت کے جذبات و احساسات کو محسوس نہیں کر سکتے لہٰذا وہ اسلامی معاشرے میں بھی اپنی برہنہ تہذیب اور عریاں اقدار عام کرنا چاہتے ہیں۔ اس مغربی تہذیب کو عام کرنے سے ان کا مقصد اصل میں یہ ہے کہ عورت کو کسبِ معاش کی خاطر گھر سے باہر نکال لایا جائے اور اس کے بعد اگلا ٹارگٹ یہ طے کیا ہے کہ مسلمان عورت کو گھر سے باہر نکال کر مسلم خاندانوں کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔ اس سلسلے میں لڑکے اور لڑکیوں کو اپنی مرضی سے شادی کرنے اور زندگی گزارنے کا اختیار دینے کے لیے انہوں نے مہم شروع کی کیونکہ ان کے نزدیک اسلامی تہذیب و معاشرت میں والدین کا خود بچیوں کی شادی کرنا ان کے مذموم عزائم کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جب تک لڑکے اور لڑکیاں آزادانہ طور پر خود نکاح نہ کرنے لگیں مغربی کلچر اسلامی معاشرت میں پورے طور پر نہیں پھیل سکتا، اس کے لیے انہوں نے باقاعدہ غیر سرکاری تنظیموں کو فنڈ ز دیئے اور ایسے افراد کو خریدا جو ان کے اہداف کو پورا کرنے کے لیے کام کر سکیں۔ اس سلسلے میں پہلے غلام احمد پرویز پھر جاوید احمد غامدی اور مختلف این جی اوز جیسے دستک، شرکت گاہ، عورت، حوا فاؤنڈیشن اور دیگر کئی کو اسی ایجنڈے پر عمل درآمد کرنے کے لیے مامور کیا گیا۔

اسلام کی اجازت فقط اتنی تھی کہ عورتوں سے خواہ وہ باکرہ ہوں یا ثیبہ، ان کی شادی کرتے وقت ان کی رضا اور مشورے کو مدنظر رکھا جائے، مگر ان مغربی ملازمین نے اس بات کو اس حد تک بڑھا دیا کہ ولی ختم کرو، لڑکی اتنی آزاد ہو جائے کہ جب چاہے اور جو جہاں چاہے جا کر نکاح کر لے۔ حقیقتاً ایسی باتیں صریحاً اسلام کے خلاف گہری سازش ہیں تا کہ ہمارا خاندانی نظام بھی مغرب کے نظام کی طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے اور مادر پدر آزاد معاشرہ پروان چڑھے۔ اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ کا مؤثر ترین استعمال کیا گیا۔ اشتہارات، اخبارات و رسائل، کیبلز اور ٹی وی چینلز پر ایسے کئی پروگرام دکھائے گئے جو ان کے بتائے گئے منصوبے پر پورے اترتے ہوں۔ اخبارات میں لو میرج کرنے والے کیسز کو خصوصی کوریج

دی گئی تا کہ اور افراد اس راہ پر چلنے کے لیے ہمت پکڑ سکیں۔

شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبال نے اسی صورتحال کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی، وہ کبھی نہ کبھی اپنی غلطی پر پشیمان ہوتی ہے، عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمہ داری عائد کر رکھی ہے کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے۔ تو اسے کسی دوسرے کام کی فرصت نہیں مل سکتی، اگر اسے اس کے اصل فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگایا جائے، جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہوگا۔'' (۲۳)

یہ تمام کام پاکستان میں کبھی تحفظِ حقوقِ نسواں، کبھی جدیدیت، کبھی ترقی پسندی، کبھی آزادیٔ نسواں، کبھی مساواتِ مرد وزن اور کبھی ضبطِ ولادت کے پُرفریب نعروں کے ذریعے انجام پاتا رہا ہے۔ ان تمام منصوبوں کے درپردہ اہلِ مغرب کے عزائم و مقاصد یکساں ہیں کہ کس طرح اسلامی نظامِ حیات کی بنیادیں متزلزل کر کے انہیں بھی حیوانیت کے اسی درجہ پر لے آئیں جس پر آج مغربی اقوام ہیں۔ نیز ننگِ انسانیت کے اس معیار کو وہ ترقی اور جدیدیت کی معراج بنا کر پیش کریں کہ اہلِ اسلام، اسلام کو ایک دقیانوسی اور قدیم مذہب سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہونے ہی میں عافیت سمجھیں۔ مخلوط نظامِ تعلیم اور ضبطِ ولادت کے ذریعے جنسی بے حیائی کو فروغ دیا جائے اور مسلمانوں کی شرح پیدائش کم کر کے مستقبل میں ان کی آبادی کے بڑھتے ہوئے خطرے سے دامن چھڑایا جا سکے۔ اگرچہ یہ تمام کام بہت خوبصورت اور دلفریب نعروں کے ذریعے انجام پا رہا ہے مگر اس کے درپردہ مقاصد کچھ تھوڑے سے ردوبدل سے یکساں ہی ہیں۔ یو این او کی طرف سے ممبر ممالک میں یہ منحوس کام این جی اوز کے ذریعے ہی انجام پاتا ہے اور اس سلسلے میں میڈیا کے ذریعے اسلامی تہذیب و ثقافت کے خلاف اور مغربی ثقافت کے حق میں زبردست پروپیگنڈہ کرتے ہوئے وہ اسلام کے مضبوط خاندانی نظام میں دراڑیں ڈالنے کے لیے بظاہر پرکشش اور لبرل نظریات پیش کرتے ہیں اور بنیادی انسانی حقوق کی آڑ میں پاکستان میں آزاد جنسی معاشرہ قائم کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف ہیں۔

این جی اوز فحاشی اور بے حیائی کو معاشرے میں باعزت مقام دلوانے میں سرگرم ہیں تا کہ ہم میں بھی مغربی اقوام کی طرح برائی کو اپنانے میں کوئی شرم و عار محسوس نہ کریں اور ہمارا ضمیر بھی گہری نیند سو جائے اور ہم صرف لذت و شہوت کے پجاری بن جائیں۔

ملک میں این جی اوز نے یو این او کے ادارے "یونائیٹڈ نیشن پاپولیشن فنڈ" کے تعاون سے سیکس ورکرز کی ایک سہ روزہ ورکشاپ کراچی میں جولائی 2009ء میں منعقد کروائی۔ اور اپنے ایسے پروگراموں کو ملک کے دوسرے حصوں میں بھی کروانے کا عزم پیش کر کے مطالبہ کیا:

کہ "سیکس ورکرز کی کمائی کو جائز تصور کیا جائے۔(۲۴)

نعیم صدیقی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ ہے مغرب کی تہذیبی سامراج کی فتح کردہ اور مسحور کردہ وہ فوج جو اسلامی تہذیب کے پاسداروں کے خلاف دشمن کے ساتھ ہو کر معرکہ آراء ہے۔ وہی ذہنیت، وہی دلائل، وہی انداز و اطوار، لہٰذا من انداز قدر امی شناسم''(۲۵)

الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بھی ایسے پروگرام دکھائے جاتے ہیں جو مغرب کی روایات کے پاسدار ہوں اور اسلامی روایات پر تنقید وطعن کرنے والے ہوں۔ پرنٹ میڈیا کے ذریعے یہ این جی اوز باقاعدہ ایسی خبریں زیادہ نمایاں کروا کر شائع کرواتی ہیں جن میں عورت کا استحصال ہوا ہو۔ قتلِ غیرت، لو میرج، کاروکاری، ونی وغیرہ کی خبروں کو نمایاں مقام دیا جاتا ہے اور پھر اس کے ساتھ انسانی حقوق کی تنظیمیں آواز بلند کرتی ہیں اور ان کے حق میں کیے گئے احتجاج کی تصویریں اور خبریں بھی شائع کرواتی ہیں۔ نجم الحسن عارف اس حوالے سے لکھتے ہیں: این جی اوز کی بڑی تعداد ایسی ہے جو تیسری دنیا اور بطور خاص پاکستان اور دیگر پسماندہ مسلمان ممالک یا نظریاتی شناخت کے لیے بیدار و نیم بیدار اقوام کے لیے امداد کے نام پر 'برین واشنگ کے لیے داخل ہوتی ہیں جس طرح 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کا مقصد اس خطے سے محض تجارتی روابط استوار کرنا نہ تھا بلکہ تاج برطانیہ کے لیے راہ ہموار کرنا تھی، اسی طرح مہذب، نسبتاً خواندہ ماحول اور ذرائع ابلاغ کے اعتبار سے پہلے سے کہیں ترقی یافتہ زمانے میں دنیا کی تسخیر اور کمزور قوموں کو اپنا کاسہ لیس بنائے رکھنے کے لیے 'این جی اوز' کا تانا بانا بننے کی ابتداء بہت پہلے بلکہ قیامِ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں ہوگئی تھی تاکہ ایک ایسے ملک میں جو نو آزاد بھی ہے جغرافیائی طور پر بعض مسائل بھی رکھتا ہے اور مالی اعتبار سے مکمل کنگلے پن کا شکار ہے، کو شروع میں ہی گود لے لیا جائے۔ اسی نو آزاد کم سن ملک کی ذہن کی سلیٹ پر وہ کچھ لکھ دیا جائے جو اس ملک کے بنانے والے نہیں بلکہ دنیا کو چلانے والوں کے خواب ہیں۔ اس عمل کا آغاز خواتین کی دنیا سے کیا گیا کہ اگر ماؤں کو ذہنی غسل' دے دیا گیا تو پاکستان کی نئی نسل کو اس راستے پر ڈالنا چنداں مشکل نہ رہے گا۔(۲۶)

اسلام میں عورت اور مرد کے لیے جو الگ الگ دائرہ کار متعین کیا گیا ہے اس کی وجہ ان کی ایک دوسرے سے صلاحیتوں کا الگ ہونا ہے۔ اور عورت پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ مرد سے کئی گنا اہمیت کی حامل ہے۔ ان کے حقوق میں جو تفاوت نظر آتا ہے۔ وہ کوئی تفاوت نہیں چونکہ حقوق ہمیشہ فرائض کی ادائیگی پر عطا ہوتے ہیں لہٰذا فرائض کے نوعیت کے مختلف ہونے سے حقوق بھی الگ الگ ہیں۔ اور مرد و عورت کو یکساں حقوق حاصل ہیں اگرچہ ان کی نوعیت مختلف ہے۔ ماں کی حیثیت سے عورت کا کردار بہت اہم ہے۔ تاریخ شاہد ہے مسلمانوں نے جب بھی ترقی کی منازل طے کیں اس کے در پردہ خاندان کا مضبوط ادارہ اور تعلیم و تربیت کرنیوالی ماں کا ہاتھ تھا۔ آج مغرب اس بات سے خوفزدہ ہے۔ اور اسی ادارہ کو ختم کرنے کے درپے ہے جسکا تصور مغرب میں وقت گزرنے کے ساتھ ناپید ہوتا جارہا ہے۔ اس لیے این جی اوز کو جو ایجنڈا سونپا

جاتا ہے اس میں سرے فہرست خاندان کا بگاڑ ہوتا ہے۔ تاکہ یہاں بھی مادر پدر آزاد معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔ اور مسلمانوں کو گہری نیند سلا دیا جائے۔

پر فیسر خورشید احمد " نئے دور نے چیلنجز اور مسلمان عورت " کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''اسلامی تاریخ میں مسلمانوں پر نشیب و فراز کے بے شمار دور آئے ہیں اور عروج و زوال سب ہی ہماری قسمت کا حصہ رہے ہیں لیکن خواہ ترقی کا دور ہو یا تنزل اور ابتری کا۔ ترقی انہی ادوار میں ہوی ہے جب خاندان کا ادارہ مضبوط تھا اور مسلمان عورت اپنے کلیدی کردار کو بخوبی انجام دے رہی تھی اور زوال، تنزل اور ابتری کے ایام میں بھی اگر ہماری قوت کا کوئی آخری منبع، پناہ کے لیے آخری حصار تھا تو وہ ماں کی گود اور خاندان کا ادارہ ہی تھا۔'' (۲۷)

امریکہ کی ریاست UTAH کی یونیورسٹی میں قانون کے پروفیسر رچرڈ وللکنز مغربی معاشرے میں عورت بحیثیت ماں کے کردار کا تجزیہ کرتے ہوے لکھتے ہیں:

''ماں اور بچے کے لیے تحفظ کے سب سے بڑے ادارے شادی اور خاندان ہیں۔ مغربی معاشرے میں سب سے زیادہ مظلوم عورت اور بچہ ہیں۔ ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنے ممالک کو ان تجربات سے بچایں۔'' (۲۸)

یہ صورتحال کم از کم ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ مگر ہماری این جی اوز ذرا بھی احساس زیاں نہیں رکھتیں، صرف اپنے فنڈز اور مراعات کے لالچ میں واپنی دینی وملکی حمیت وغیرت کا سودا کر رہی ہیں۔

روزنامہ پاکستان میں این جی اوز کی وطن دشمنی کے بارے کچھ اس طرح لکھا گیا:

پاکستان میں اس وقت بہت سی این جی اوز اسلامی سزاؤں کا نفاذ روکنے، سزائے موت ختم کروانے، ماحولیات کا رونا روکر کالا باغ ڈیم کی تعمیر رکوانے، دستاویزی فلمیں بنا کر عالمی سطح پر پاکستان کی ساکھ بگاڑنے، عریانی اور فحاشی کو فروغ دینے، کشمیر میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام بھول کر بھارت سے محبت کی پینگیں بڑھانے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کو بدنام کرنے میں مصروف ہیں، جس کے لئے انہیں ملک واسلام دشمن غیر ملکی قوتوں کی جانب سے بھاری فنڈنگ ہو رہی ہے، لیکن آج تک کسی نے بھی ان کے گھناؤنے کردار کو سامنے لانے اور ان کا کڑا احتساب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ کچھ عرصہ قبل مجھے یہ جان کر سخت دھچکا لگا کہ پاکستان میں اگرچہ اعلان تو نہیں کیا گیا، لیکن عملی طور پر سزائے موت کا خاتمہ کیا جا چکا ہے، کیونکہ پچھلے کئی سال سے کسی ایک بھی قاتل کو پھانسی نہیں دی گئی۔ اس کا سہرا بھی ان این جی اوز کے سر جاتا ہے، جنہوں نے آج تک عراق، افغانستان، برما اور بھارت میں لاکھوں مسلمانوں کے بہیمانہ قتل عام کی مذمت تک نہیں کی، لیکن پاکستان میں قاتلوں کو ریلیف دلانے کے لئے بھرپور طریقے سے سرگرم عمل ہیں، جبکہ حکومت پاکستان نے بھی غیر اعلانیہ طور پر سزائے موت ختم کر کے ان این جی اوز کے گھناؤنے مقصد کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (۲۹)

این جی اوز اپنے مذموم مقاصد کی خاطر معمارِ وطن کو مغرب کے تعلیمی اداروں طرح اپنے زیرِانتظام چلنے والے اداروں میں ایسی غیراخلاقی کتب پڑھا رہی رہیں جو ہمارے لیے دین واخلاق دونوں لحاظ سے باعث ننگ وعار ہیں۔اور کھلی بے حیائی کو فروغ دے رہی ہیں۔

مغرب کے دل میں ہماری آئندہ نسلوں کے بہتر مستقبل اور تہذیب آموزی کی خاطر کتنا درد ہے۔اس کا اندازہ وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔لیکن اس اتھاہ گہرائیوں والے پیار کا تازہ ترین مظہر''زندگی گزارنے کی مہارتوں'' پرمبنی یہ کتاب ہے جو کہ سرکاری سکولوں میں ڈی۔او صاحبان کی باقاعدہ اجازت سے سرکاری سرپرستی میں پڑھائی جارہی ہے۔کتاب کے صفحہ اوّل پر اظہارِ تشکر کے عنوان کے تحت کتاب کے ناشران وشائع کنندگان کا مختصر تعارف بھی ملتا ہے۔ملاحظہ فرمایئے:

''ورلڈ پاپولیشن فاؤنڈیشن نے ۲۰۰۹ء میں نوجوان نسل کی تعمیر کا ایک انفرادی پروگرام''ہمارا کل'' یورپین یونین کی مالی معاونت کے ساتھ پاکستان کے تین اضلاع، کراچی، ملتان اور مٹیاری میں شروع کیا۔اس پروگرام کا بنیادی مقصد پاکستان میں نوجوانوں کی تعلیم اور صحت کی صورت حال کا بہتر بنانا ہے اور اسی کی ایک کڑی سکولوں میں ''زندگی گزارنے کی مہارتوں پرمبنی تعلیمی پروگرام'' ہے جو اِن تمام اضلاع کے تقریباً ۳۰۰ سے زائد سکولوں میں ۱۲۵۰ اساتذہ کی رہنمائی اور تعاون سے تقریباً ۱۵۰۰۰ نوجوان طلبہ وطالبات کے ساتھ مکمل کیا جائے گا۔۔۔یہ کتاب اسی پروگرام کا ایک حصہ ہے جس کی مدد سے سکولوں میں اساتذہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو زندگی گزرانے کی بنیادی مہارتیں سکھاتے ہیں۔''(۳۰)

یہ این جی اوز اور ان کی سرکردہ شخصیات زیادہ تر مشہور علماء کرام، وزراء اور اراکین پارلیمنٹ، بااثر شخصیات، صنعت کاروں وغیرہ کے معاملات کو اچھالتی ہیں تاکہ انہیں سوشلسٹ، سیکولر، لادینی وعیسائی وقادیانی عناصر کی آشیرباد حاصل ہو جائے اور انہیں زیادہ سے زیادہ فنڈز مل سکیں مثلاً صائمہ ارشد کیس، سمعیہ عمران قتل کیس وغیرہ۔ان این جی اوز کے زیرِانتظام جو رسائل چھپتے ہیں ان میں بھی آیاتِ قرآنی کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور بعض آیات کے ساتھ کارٹون بنا کر ان کی تضحیک کی جاتی ہے۔(۳۱)

بطور مثال:

- عاصمہ جہانگیر کی این جی او کا ماہنامہ 'صدائے آدم' شمارہ جنوری 2000ء کا سرورق جس پر سورۃ النساء کی آیت ۳۴ پر ایک طنزیہ کارٹون شائع کیا ہے جو قرآن حکیم کی آیت کی توہین کے ساتھ ساتھ سنتِ رسولؐ کی بھی توہین ہے۔
- فروری 2000ء میں 'صدائے آدم' کے سرورق پر سورۃ الاعراف کی آیت ۴۰ درج کر کے اس پر بھی ایک طنزیہ کارٹون بنایا گیا ہے۔

'شرکت گاہ' اس این جی او کا سہ ماہی مجلّہ خبرنامہ ہے اس این جی او کا سلوگن ہے 'خواتین زیرِاثر مسلم قوانین' یہ حقوقِ

نسواں کا داعی ہے۔اس ادارے کے تحت شائع ہونے والا سہ ماہی 'خبر نامہ' بھی اس حقیقت کا گواہ ہے۔شرکت گاہ کے رسالے 'خبر نامہ' جلد اول شمارہ اول 1990ء کے صفحہ ۲۰ پر محترمہ ریحانہ توفیق صاحبہ کی طنزیہ نظم عورت کی تحقیر اور اس کی آدھی گواہی کے حوالے سے شائع ہوئی۔نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کیوں تیری گواہی آدھی ہے

محبوب خدا خود جس سے کہے — جنت ہے تیرے قدموں تلے
اے عقل کے اندھو! سوچو ذرا — کیا اس کی گواہی آدھی ہے
جس روز پکارے جاؤ گے تم — نام سے اپنی ماؤں کے
اس روز بھی انہیں کہہ دینا — جا تیری گواہی آدھی ہے (۳۲)

ان این جی اوز کے درپردہ جو عزائم ہیں وہ ان کے مجلّات پڑھ کر سامنے آجاتے ہیں۔اسلامی قوانین کے نفاذ اور حدود آرڈیننس کے خلاف 'شرکت گاہ کے سہ ماہی مجلّہ 'خبر نامہ' میں عمر اصغر خان تحریر کرتے ہیں کہ پاکستان میں بسنے والے تمام گروہوں اور قبیلوں کی نمائندگی کرنے والی چاروں صوبوں میں کام کرنے والی تنظیموں نے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے ہیں:

۱۔ حدود آرڈیننس کی تنسیخ ۲۔قصاص اور دیت کے قانون کی تنسیخ ۳۔ قانونِ شہادت کی تنسیخ

۴۔ ازدواجی اور عائلی زندگی، معاشرہ اور تہذیب وتمدن کی تمام پرسنل لاز میں ٹھوس اصلاحات جیسا کہ مطالبات بالا میں تحریر ہے۔(۳۳)

اسی طرح وفاقی شرعی عدالتوں اور تمام خصوصی عدالتوں کے خاتمے کے لیے بھی 'انہی NGO's نے اپنی تجاویز پیش کیں تھیں۔ ماہنامہ 'صدائے آدم' کے شمارہ فروری 2000ء میں سود کے حرام قرار دیئے جانے کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ اپیلٹ بینچ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے حنا جیلانی لکھتی ہیں:

کیا مسلمانوں کو اپنی زندگیاں سپریم کورٹ بینچ کے تین ارکان کے عقیدے کے مطابق گزارنا ہوں گی؟ مذہبی عدالتوں کے قیام میں بنیادی خامی یہی ہے کہ انہیں اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر پہلو پر رائے دینے کا اختیار ہے،مذہب کے غلط استعمال نے پاکستان میں سماجی وسیاسی زندگی تباہ کردی ہے۔(۳۴)

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اپنے ماہنامہ جہد حق میں اس عزم کا اعادہ کرتا ہے:

ہم انتہائی پر یقین اور پرامید ہیں کہ جنس، مذہب، لسانی شناخت اور جغرافیائی حدود کے امتیازات سے ماورا عورتوں، مردوں، لڑکیوں اور لڑکوں سمیت تمام پاکستانی شہریوں کے لیے ایک مساوی، روشن خیال، جمہوری، متحمل، کثیر المزاجی، اور ترقی یافتہ پاکستان کا قیام نہ صرف ممکن ہے بلکہ یہ ہدف قابل حصول بھی ہے۔(۳۵)

نہ صرف یہ بلکہ یہ کمیشن آئندہ آنے والے انتخابات میں حصہ لینے والی جماعتوں کے لیے بھی اپنی سفارشات مرتب کرتے ہوئے عورتوں کے خلاف امتیازی قوانین کو منسوخ کرنے کے عزم کو اپنے منشور کا حصہ بنانے کی تجویز دیتا ہے۔ اپنی دیگر سفارشات کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے: خواتین کے خلاف تمام امتیازی قوانین اور ضوابط کو منسوخ کیا جائے، اور مستقبل میں ایسا کوئی قانون نہ بنایا جائے جو خواتین کی حیثیت پر اثر انداز ہو۔ موجودہ امتیازی قوانین میں حدود آرڈیننس اور دیگر تعزیراتی جرائم کے لیے تجویز کردہ سزائیں، عدالت میں شہادت کے لئے اہلیت اور سٹیزن شپ ایکٹ شامل ہیں۔

عائلی قوانین میں بنیادی اصلاحات متعارف کی جائیں اور میں بیوی کو قانون اور تمام معاملات میں برابر حیثیت فراہم کی جائے۔ خواتین کے بارے میں بیجنگ کانفرنس کی سفارشات پر قرار واقعی عملدرآمد کے لئے مناسب مشینری استوار کی جائے (۳۶)

یہ بات نئے جمہوری عمل کے لئے ناگزیر دی جارہی ہے کہ سیاسی جماعتیں اپنے منشور میں ان نکات کو ضرور زیر بحث لائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دلچسپ واقعہ یہ بھی ہے کہ ۸ مارچ کو خواتین کا عالمی دن منایا جاتا ہے ہر سال کی طرح اس سال بھی پاکستان میں بڑے جوش وخروش سے خواتین کی تنظیموں نے یہ دن منایا۔ واک میں شریک خواتین نے مختلف بینرز اٹھا رکھے تھے جن میں مختلف نعرے درج تھے۔ دو بینر پر لکھی گئی عبارت قابل توجہ بھی تھی اور مضحکہ خیز بھی۔ یہ دونوں بینر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے، ایک پر لکھا تھا مرد ظالم اور وحشی ہے۔ جبکہ دوسرے بینر پر درج تھا ہمیں مردوں کے برابر حقوق دو۔

ڈاکٹر ام کلثوم صاحبہ ان غیر سرکاری تنظیموں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ

ان این جی اوز کا خصوصی ہدف ہماری معاشرت ہے جسے مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی یہ ساری جدوجہد ہے۔ ہمارے معاشرے میں غیر اسلامی اور جاہلانہ چھاپ موجود ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم اپنے معاشرے میں غیر اسلامی اقدار وروایات کو نکالنے اور اسلام کے سماجی انصاف کو رواج دینے کی جدوجہد کرتے تاکہ ہر فرد کو اسلام کے دیئے ہوئے حقوق حاصل ہو سکتے لیکن یہ نام نہاد تنظیمیں جنہیں حکومتی اور مغربی پشت پناہی حاصل ہے بنیادی انسانی حقوق کے نام پر آزاد جنسی معاشرہ تشکیل دینے کی تگ ودو میں ہیں تاکہ مغربی مسائل اور تہذیب کو پوری دنیا پر اجارہ داری اور غلبہ حاصل ہو۔ یوں فی الواقع یہ ساری کوشش مغربی تہذیب کے غلبہ (Unipolar) سسٹم کے قیام کی تگ ودو ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان رجحانات کا مقابلہ کرنے کے لیے کم از کم درج ذیل اقدام کیے جائیں:

- **طاغوتی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنے کے لیے افراد کو تیار کیا جائے۔**
- **اسلام کے احکام اور پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانے کے لیے منظم اور ہمہ جہتی کوششیں کی جائیں کیونکہ موجودہ طاغوتی نظام فی الواقع پوری انسانیت کو تباہی کی طرف لے جانے والا نظام ہے۔ مسلم معاشرے کے افراد کو اسلام کی**

تعلیمات سے روشناس کروانے اور اس پر عمل پیرا کرنے کی منظم سعی کی جائے۔ (۳۷)

ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر پاکستان میں مساوات مرد وزن جو کہ بالکل مصنوعی ہے، اسے عام کرنے کے لیے مذموم کوششیں جاری رہیں تو پھر مسلمانوں میں کھلی بے حیائی و عریانی پھیلے گی۔ عمداً حدود کو پامال کیا جائے گا اور اعلانیہ شریعت کا تمسخر اڑایا جائے گا۔ خاندانی نظام ابتری و تباہی و بربادی کا شکار ہوگا اور خلافِ شریعت کام کرنے سے جو دل میں ٹیسیں اٹھتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی اور اس کے بعد قانوناً شریعت میں تبدیلی کروالی جائے گی۔

ازدواجی اور عائلی زندگی، معاشرہ اور تہذیب وتمدن کی عمارت کی بنیاد کے پتھر ہیں۔ یہ پتھر امریکی معاشرے میں کمزور ہورہے ہیں، ٹوٹ رہے ہیں یا اپنی جگہ سے کھسک رہے ہیں۔ لہٰذا پوری عمارت یا تو شگاف زدہ ہورہی ہے یا منہدم ہو رہی ہے۔ اسلام کا فیض ہے کہ مسلم معاشرہ اب تک اس تخریب سے محفوظ ہے۔ دشمنانِ اسلام کو ظاہر ہے یہ بات کیوں کر گوارا ہوتی... خصوصاً جب مسلم معاشرے کے اس امتیاز کی کشمکش غیر مسلم معاشروں کے مردوں اور عورتوں اور نوجوانوں کو اسلام کی طرف کھینچنے لگے ہو۔ لہٰذا اس محاذ پر طلاق اور تعدد ازدواج کے بارے میں حقوقِ نسواں اور مساوات مرد وزن کے نہایت خوبصورت ناموں سے ایک زبردست معاشرتی یلغار کی گئی، جس سے اہلِ فکر ونظر، اہل علم وتفقہ، اہل دانش وبینش کے حتی کہ اہل دین وتقویٰ کے بھی جو شرعی قوانین کے محافظ ونگراں تھے... دینی اعصاب چرمرا اٹھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شرعی قوانین، نامکمل، ناکافی اور ناقص نظر آنے لگے۔ شریعت کاملہ ومطہرہ کی شرائط ونکاح سے زیادہ اشتراط فی النکاح کا نفاذ ضروری قرار پایا۔ شوہر کے لیے عقدِ ثانی کو، شریعت پر مستزاد تحت شرط کے ساتھ مشروط کیا جانے لگا۔ شریعت کی روح اور شرعی قوانین میں مضمر عظیم حکمتیں ناقابلِ التفات ٹھہریں۔ فکری یلغار کے دباؤ کی شدت میں اس بدیہی حقیقت کا خیال بھی نہ آیا کہ یہ بظاہر دونوں نیک کام، عملاً مسلم ازواج اور خاندانوں پر... بالآخر مسلم سماج پر... وہی راستہ کھول دیں گے جو کچھ دور جا کر غیر مسلم معاشروں اور گھرانوں کو تباہی سے دوچار کرتے رہے ہیں اور اس تباہی کے مناظر ہم معاصر تہذیب میں شب و روز کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ (۳۸)

ان NGO's کے تحت چھپنے والا مواد، شائع ہونے والی رپورٹس، رسائل، اور کتب کے مضامین بھی اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ کس طرح پرفریب نعروں کے در پردہ مسلم سماج و عائلی نظام پر نقب لگائی جارہی ہے۔

مسلم امہ اور پاکستان کو خصوصا بہت سی عصری تحدیات کا سامنا ہے۔ جن میں آزادی نسواں، میڈیا کی بے لگام آزادی، گلوبلائزیشن، الحاد، مادیت پسندی، اہل مغرب سے مرعوبیت اور مغلوبیت، این جی اوز کا اسلام اور ملک دشمن کردار اور خاندانی نظام کا رفتہ بہ رفتہ انتشار سے دوچار ہونا ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان جو نظریہ اسلام کی بنا پر وجود میں آیا ہے اس کی سرحدیں حقیقتاً اس کا نظریہ ہی

ہیں ۔لہٰذا اگر ہم اپنے ملک کا دفاع چاہتے ہیں تو پھر ہم اس نظریہ توحید کی بقاء کے ضامن بنیں اور ہر اس سازش کو جو آزادی نسواں، تحفظِ حقوقِ نسواں، مساواتِ مردوزن، صنفی مساوات، آرٹ، کلچر، جدیدیت کے نام سے اٹھے اس کو پنپنے کا موقع نہ دیں اور ہم اس نظریے کے وارث ہوتے ہوئے لادینی ثقافت، ملحدانہ روایات اور ننگ انسانیت تہذیب کے پُرفریب نعرہ کے درپردہ مضمرات سے آگاہ ہوں اور اسلامی معاشرتی اقدار وروایات اور حقوق نسواں کے واحد محسن دین اسلام پر کاربند ہو کر ہر طرح کی ایسی سازشوں کو بے نقاب کریں جو ہمارے دین، ہمارے نظامِ حیات اور اسوہ رسول ﷺ کے خلاف ہو اور اقوامِ مغرب کے پھیلائے گئے فتنوں سے مسلم عورت کا تحفظ کریں تا کہ ہمارا خاندانی نظام مغرب کے خاندان کی طرح ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار نہ ہو۔

حواشی وحوالہ جات

1. charter of United Nation : Chapter x

۲۔ ملیحہ حسین، غیرسرکاری تنظیم میں گورنمنٹ اوراین جی اوز ڈونرز کی شرکت، سٹڈی پیپ آف یونائیٹڈ نیشن، ۱۹۹۶ء، ص ا

3- Oxford advanced Learner's dictionary of current English, Oxford University Press, P: 857

4 - http://www.ngo.org/ngoinfo/define.html

5- Looqman, Role of NGO's in Bangladesh, Lahore, Khabar Name Nizamat, Mansoora, 1999, P:15

6- http://www.un.org/en/documents/charter/chapter10.shtml ,Artical:68

7- http://www.un.org/en/documents/charter/chapter10.shtml ,Artical:70

8- http://www.un.org/en/documents/charter/chapter10.shtml ,Artical:71

9۔ کمار سنگھ، آر۔ایس، ترقی یافتہ ممالک میں غیرسرکاری تنظیموں کا کردار، نیودہلی، دیپ اینڈ دیپ پبلیشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۲۵

10۔ گوئل ایس ایل اینڈ کمار آر، غیرسرکاری تنظیموں کا ڈھانچہ، نیودہلی دیپ اینڈ دیپ پبلیشرز، 2004ء، ص ۵، ۶

۱۱۔ محمد متین خالد، حقوق انسانی کی آڑ میں، ملتان، عالمی مجلس ختم نبوت، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳-۱۴

۱۲۔ ثریا بتول علوی، جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص: ۴۵، لاہور، منشورات، ملتان روڈ، ۲۰۰۷ء

۱۳۔ حقوق انسانی کی آڑ میں، ص ۱۴

۱۴۔ یاسر ندیم، مولانا، گلوبلائزیشن اور اسلام، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۴ء، ص ۳۵۲

۱۵۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص ۴۶

۱۶۔ پرویز، غلام احمد، طاہرہ کے نام خطوط، لاہور طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، ۱۹۸۹ء، ص ۲۱

17- http//:www.hrcp-web.org

۱۸۔ صلاح الدین یوسف، مولانا۔ خواتین ایکٹ کے اغراض ومقاصد، ماہنامہ محدث، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص ۶۶-۶۷، ج: ۳۹، ش: ۱۰

19- http//:www1.umn.edu/humanrts/iwraw/Freeman &-Timothy.htmlhttp//:www.un.org/en/development/devagenda/gender.shtml &http//:www.5wwc.org/conference_background/1980_WCW.html

20۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص ۴۶

ReportoftheCommissionofInquiryforWomen

21. http/www.5wwc.org/conference_background/1980_WCW.html-

۲۲۔ بنیامین رضوی، پیر ہفت روزہ: تکبیر، کراچی، ۱۲ جولائی، ۲۰۰۰ء